عصر جدید کا نکتۂ آغاز

بعثت نبوی

پروفیسر سید محمد سلیمؒ

پروفیسر سید محمد سلیم رحمہ اللہ کا یہ مضمون ان کے غیر مطبوعہ مسودات سے دست یاب ہوا تھا۔ اسے مرتب کر کے حوالہ جات کے اضافے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ س، ع، ر

دنیا میں ساری تہذیبیں اور ثقافتیں تالیفی ہیں۔ یہ تہذیبیں مختلف ممالک اور اقوام پر جو اثرات اثر انداز ہوئے، ان کا مجموعہ اور امتزاج ہیں۔ اس مجموعے کے اجزا کسی شعوری کوشش سے مرتب نہیں ہوئے، بل کہ ان اثرات اور عوامل نے خود بہ خود غیر شعوری انداز میں ایک مرکب کی شکل اختیار کر لی۔ کسی حکمت و دانائی کو اس میں دخل نہیں ہے۔ قدیم اور جدید دنیا کی ساری تہذیبوں اور ثقافتوں کا ایک ہی حال ہے۔ تمام تہذیبیں ایک ہی نہج پر بنتی ہیں، اور بنتی رہی ہیں۔

خارجی اثرات سے محفوظ

اس پس منظر میں اسلامی تہذیب ایک نرالی تہذیب ہے۔ یہ تالیفی تہذیب ہرگز نہیں ہے، بل کہ جس طرح ایک تخم سے ایک گھنا درخت پروان چڑھتا ہے۔ اسی طرح ایک مرکزی تصور سے اسلامی تہذیب پروان چڑھی ہے۔ اس کو یک تخمی تہذیب کہنا زیادہ درست ہے۔ بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں ایک نئے دین کا اعلان تھا، ایک نئی تہذیب اور ایک نئی ثقافت کا اعلان تھا۔ یہ ایک شعوری کوشش تھی۔ ارادے اور عمل نے اس کوشش کو پروان چڑھایا ہے۔

اسلام اپنے ساتھ ایک عظیم الشان مذہبی، اخلاقی، ذہنی، فکری، تہذیبی، تمدنی، معاشی اور سیاسی انقلاب لے کر آیا تھا، جدید دنیا اور جدید افکار اس انقلاب کے نتیجے میں پیدا ہوئے ہیں۔

خارجی، مقامی اور موروثی اثرات اور عوامل سے اس تہذیب کو اس کے بانی نے محفوظ رکھا۔ ان کو قبول نہیں کیا۔ اس نے ان اثرات کو بدعت قرار دے کر مردود قرار دیا۔ یہ تہذیب اللہ کی وحی و ہدایت کی بنیادوں پر

تیار ہوئی ہے۔قرآن وسنت کی مستحکم اور غیر مبدل بنیادوں پر استوار ہوئی ہے۔ یہ خالصتاً الٰہی تہذیب ہے، جس طرح درخت خارج سے ہم آہنگ غذا حاصل کر کے پروان چڑھتا ہے، اس طرح اس تہذیب میں قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعے توسیع پسندی ہوتی رہی ہے۔اس طرح اس نے انسانی زندگی کے تمام معاملات کا احاطہ کیا ہے، دنیا کو رہ نمائی دی ہے، مگر یہ سب کچھ اسلام کی اپنی طبعی وسعت پذیری کی بنا پر ہے، اس لیے اس میں نہ تو خارج سے کوئی آمیزہ تیار ہوا، نہ اضافہ ہوا۔

سن دس ہجری میں جب دین حق کی تکمیل ہوگئی، اور پوری وحی نازل ہوگئی تو اس تہذیب کے بانی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو اہم اعلانات کیے، آخری حج کے موقع پر لاکھوں انسانوں کے مجمع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اہم اعلان یہ فرمایا کہ آج یہ دین مکمل ہوگیا ہے۔اب اس میں کسی اضافے کی ضرورت نہیں۔(۱) بل کہ اب تو اس کو محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔

دوسرا اہم اعلان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر جنس اور غیر اسلام کے متعلق کیا:

الا ان کل ماثرۃ کانت فی الجاھلیة ودم و دعویٰ تحت قدمی ھاتین (۲)

جاہلیت کی تمام رسوم، تمام باتیں میرے پیروں کے نیچے ہیں، مردود ہیں، خواہ قتل کا معاملہ ہو، یا کوئی اور دعویٰ۔

اب ہر قول اور ہر فعل کے جائز اور درست ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسلام سے اس کے لیے سند جواز حاصل کی جائے، ورنہ وہ قابل رد ہے۔

اس کے بعد اسلام سے باہر جو افکار اور جو اعمال بھی ہیں اور جو تہذیب ہے، وہ سب جاہلیت کے نام سے موسوم ہوگئی۔حق کے بعد جو کچھ ہے، وہ گم راہی ہے۔اسلام کے باہر جو کچھ ہے، وہ جاہلیت ہے۔ اس کے بعد سے دنیا میں صرف دو تہذیبیں ہیں، ایک اسلامی تہذیب اور ایک جاہلی تہذیب۔ان دونوں کے درمیان نہ توافق ہے، نہ تعامل، بل کہ تضاد اور تصادم ہے۔ بعثت نبوی سے ایک نئی تہذیب کا دنیا میں آغاز ہوا۔ یہ تہذیبِ اسلامی ہے۔ بعثت نبوی تاریخ عالم میں ایک تاریخ ساز اہم واقعہ ہے۔اس تہذیب کے اثرات کافر ومومن سب پر پڑتے ہیں، اور اس وقت سے مسلسل پڑتے چلے آرہے ہیں اور آئندہ بھی پڑتے رہیں گے۔

اصل اصول

اسلامی تہذیب کا اصل اصول کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اسلامی تہذیب کا گھنا درخت

عقیدۂ توحید کی بنیاد پر کھڑا ہے۔ توحید ایک معنیٰ خیز تصور ہے۔ یہ کثیر الجہات اور دور رس نتائج کا حامل تصور ہے۔ یہ تصورِ اسلام انفرادی، اجتماعی اور دنیاوی اور اخروی زندگی کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے اور ان کو رہ نمائی دیتا ہے۔ اس تصور کی معنیٰ آفرینی کی نہ کوئی حد ہے، نہ انتہا۔ یہ بڑا زرخیز اور بارآور تصور ہے۔

توحید کے معنیٰ توحید فی الذات کے ہیں۔ ایک اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ سارے بت، سارے معبود، مادی صورت میں ہوں یا ذہنی تصورات ہوں، سب باطل ہیں، سب غلط ہیں۔ اسلام نے بت پرستی اور مظاہرِ فطرت پرستی کا ہر نوع اور ہر شکل میں خاتمہ کر دیا۔ جس وقت اسلام نے توحید کا نعرہ بلند کیا، اس وقت بدھوں، ہندوؤں اور مسیحیوں اور مشرکوں نے پوری دنیا کو بت پرستی کی لعنت سے بت خانہ بنا رکھا تھا۔ ہر جگہ بت پرستی کا چلن اور شرک کا دور دورہ تھا، مگر اس نعرے کے اثرات سے بت پرستوں اور مشرکوں کے ایوانوں میں زلزلہ آ گیا۔ وہ مجبور ہو گئے کہ اپنے عقائد کسی نہ کسی طرح توحید سے ہم آہنگ کریں۔ مسیحیت میں پروٹسٹنٹ کی تحریک جاری ہوئی، جس نے کیتھولک کی بت پرستی کو بالکل رد کر دیا۔ ہندوؤں میں بھگتی تحریک، کبیر، اور گرونانک وغیرہ کی تحریکیں پیدا ہوئیں، جنھوں نے مورتی پوجا کی سخت مخالفت کی۔ گزشتہ صدی میں راجہ رام موہن رائے نے بت پرستی کی شدید مخالفت کی۔ جتنا وہ مسیحیت سے متاثر تھا، اس سے زیادہ وہ اسلام سے متاثر تھا۔ ۱۸۰۳ء میں ۲۹ سال کی عمر میں بت پرستی کے خلاف اس نے ایک کتاب لکھی تھی، جو تحفۃ الموحدین کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب عربی اور فارسی زبان میں لکھی گئی ہے، اس کے بعد ہی برہمو سماج اور آریہ سماج کی تحریکیں ہندوستان میں جاری ہوئیں، جو بت پرستی کی سخت مخالف ہیں۔

توحید کے ایک معنیٰ ہیں توحید فی الصفات۔ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں بھی منفرد ہے۔ کوئی دوسری ہستی کائنات عالم میں اس جیسی نہیں ہے کہ ان صفات میں اللہ کے ساتھ شریک ہو۔ خالق بھی وہی ہے، رازق بھی وہی ہے۔ وہی مارتا ہے وہی جلاتا ہے۔ وہی بارش برساتا ہے اور وہی اولاد دیتا ہے۔ کوئی انسان مردہ یا زندہ، کوئی جن و بشر، کوئی ملک، صفات الوہیت میں اللہ کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ ذات الوہیت میں تو کم ہی قومیں تھیں، جو شرکت کی دعوے دار تھیں۔ البتہ صفات الوہیت میں شرکت کے دعوے دار بہت سی قومیں ماضی میں بھی رہی ہیں اور آج بھی موجود ہیں، جہلا اور نادانوں نے آج بھی نہ معلوم کن کن کو خدائی صفات سونپ رکھی ہیں۔ اسلام نے ان سب کو غلط قرار دیا ہے۔ اس نے بتایا کہ جس طرح اللہ اپنی ذات میں فرید و وحید ہے، اس طرح وہ اپنی صفات میں بھی لاشریک ہے۔ صفات خداوندی میں سب سے اہم صفت حاکمیت کی ہے۔ وہ واحد حاکم مطلق ہے۔ ملک اسی کا ہے۔ حکم بھی اس کا ہے۔ وہ ملک

الناس ہے، رب الناس ہے اور الٰہ الناس ہے۔ (۳)

حاکمیت کی صفت میں شرکت کے دعوے دار ہر زمانے میں بادشاہ اور حکم ران رہے ہیں۔ فرعون نے تو کھل کر اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی (۴) کا اعلان کردیا ہے، ورنہ ہر بادشاہ وقت اپنے دل میں اپنے حاکم مطلق ہونے کا یقین رکھتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اس کی رعایا اس کی بے چوں و چرا اطاعت کرے۔ آج کے دور میں قوم کی حاکمیت اور قومی اسمبلی کی حاکمیت بھی اسی تصور کا شاخسانہ ہے۔ قومی نمائندے بھی اس زعم میں مبتلا رہتے ہیں کہ ہم بلا روک ٹوک عوام کے لیے قانون بنا سکتے ہیں۔ ان سے باہر کوئی قانون ساز نہیں ہے۔

انسانوں کی گم راہی اور تباہی کا ایک بڑا اہم سبب یہ انسانوں کی حاکمیت کا تصور ہے۔ اسلام نے اس تصور کی سختی سے مخالفت کی ہے۔ قرآن کا فرمان ہے:

اِنِ الۡحُکۡمُ اِلَّا لِلّٰہِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ (۵)

حکم صرف اللہ کا ہے، اسی نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

اسلام میں بادشاہ نہیں ہوتا، خلیفہ ہوتا ہے۔ دنیا ابھی تک اس شرک میں مبتلا ہے۔ اس سے نجات حاصل نہیں کرسکی۔

توحید پر ایمان لانا اور ہر طرح کے بتوں کا انکار کرنا درحقیقت عظمت انسانی کے اعلان کرنے کے مترادف ہے۔ ایک خدا کو رب مان کر انسان آزاد ہوجاتا ہے۔ اب مخلوقات کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی اسے ضرورت نہیں۔ بل کہ اپنے ہم جنس انسانوں کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ خواہ وہ انسان کوئی بھی ہو، بادشاہت کے تخت پر متمکن ہو، یا تقدس کی چٹائی پر جلوہ ریز ہو۔ بہ قول اقبال:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

عظمت انسانی کا تصور اسلام نے اس زور و شور سے بلند کیا کہ انسانیت کی تذلیل وتحقیر کی جو حرکتیں صدیوں سے ہو رہی تھیں ان کے خلاف دنیا میں سب سے پہلے اسلام نے آواز بلند کی۔ پہلی مرتبہ اسلام نے دختر کشی اور بچوں کو زندہ درگور کرنے کو حرام قرار دیا۔ مغربی دنیا کے مفکرین کو بھی اسلام کا یہ کارنامہ تسلیم ہے۔ ان کی ایک موقر کتاب میں درج ہے:

اخلاقی مصلح کی حیثیت سے دختر کشی کی رسم کے ختم کرنے کا سہرا محمد (صلی اللہ علیہ) کے سر جاتا ہے۔ (۶)

پہلی دستوری ریاست

دنیا میں پہلی مرتبہ عرب کے نبی امی ﷺ نے انسانی حقوق کا منشور خطبہ حجۃ الوداع کی صورت میں عطا کیا۔ آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ عورتوں اور غلاموں کے حقوق کا ذکر کیا اور ان کو عام انسانوں کے برابر درجہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو۔ (۷)

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ حکم دے کر کہ جو تم خود کھاتے ہو وہ غلام کو کھلاؤ اور تم خود پہنتے ہو وہی اپنے غلام کو پہناؤ۔ (۸)

نبی کریم نے غلامی کے تصور میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس اعلان کے بعد غلام کو وہ تمام حقوق حاصل ہو گئے جو عام انسان کو حاصل تھے۔ غلامی کا اب مختصر نام ہی باقی رہا۔ یہ اسلام ہی ہے جس کے معاشرے میں غلام بادشاہی کے تخت پر جا پہنچے۔ ہندوستان میں غلام خاندان (۱۲۸۸۔۱۲۰۶) اور مصر میں ممالیک خاندان (۱۵۱۷۔۱۲۵۰) نے صدیوں تک حکومت کی ہے۔

اسلام سے قبل عورت کی حالت ہر جگہ زبوں و خوار تھی۔ اس کی حیثیت جائیداد منقولہ کی سی تھی۔ جو کسی شے کی مالک نہیں تھی۔ ہندوستان میں شوہر کے مرنے کے ساتھ اس کو بھی زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ یورپ میں ۳۲۵ء تک میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ عورت انسان ہے یا نہیں۔ سارے پادریوں کا فیصلہ یہ تھا کہ اس کی فطرت داغ دار ہے۔ اس لیے یہ شرف انسانیت سے محروم ہے۔ اس کی مستقل بالذات حیثیت کوئی نہیں تھی۔

اگر چہ اٹھارہویں صدی میں یہ تصورات بدل گئے ہیں، مگر آج بھی شادی سے قبل جومس ٹامس رہتی ہے، وہ شادی کے بعد جومسز جیمس بن جاتی ہے۔ نہ شادی سے قبل نہ شادی کے بعد اس کی اپنی حیثیت کچھ نہیں۔ اسلام نے عورت کو مستقل حیثیت دی۔ شادی سے قبل بھی وہ عائشہ اور فاطمہ ہے، اور شادی کے بعد بھی وہ عائشہ اور فاطمہ ہی ہے۔ عورت کو ملکیت کا حق دیا، عورت کو برابر کا وارث بنایا۔ عورت کو نکاح جیسے ایک معاہدے سے منسلک کیا، اسے اس رشتۂ ازدواج سے علیحدگی کا حق بھی دیا۔ یہ حق یورپ نے اٹھارہویں، انیسویں صدی میں دیے۔ ہندوستان میں ۱۹۵۶ میں ہندو کوڈ بل پاس کرانے کے بعد عورت کو وراثت کا حق ملا ہے۔

ہندوؤں نے پیدائشی اور خلقی طور پر انسانوں کو تقسیم کر رکھا تھا۔ انہوں نے تمام انسانوں کو چار ذاتوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ برہمن سب سے اعلیٰ نسل کے لوگ تھے۔ وہ برہما (خدا) کے سر سے پیدا ہوئے

تھے۔ کھشتری دوسرے نمبر پر تھے، وہ برہما کے بازؤں سے پیدا ہوئے تھے۔ دیش تیسرے درجے پر تھے وہ برہما کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور شودر سب کے آخر تر تھے وہ برہما کی ٹانگوں سے پیدا ہوئے تھے۔ اس تقسیم کے مطابق شودر خواہ کچھ کر لے وہ شودر ہی رہے گا۔ اور برہمن خواہ کتنی ہی ذلیل حرکتوں کا مرتکب ہو وہ بہ ہر حال برہمن رہے گا۔ عزت وذلت استحقاق دبرتری پیدائشی تھی۔ عیسائیوں نے ایک عقیدہ گھڑ لیا تھا کہ انسان پیدائشی طور پر گناہ گار ہے۔ وہ جو چاہے کرلے گناہ کا داغ دھل نہیں سکتا۔ اسلام نے اس ذہنی گناہ گاری سے انسانوں کو نجات دی۔ یورپ میں یہ فکر اٹھارہویں صدی میں رائج ہوئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

کل مولود یولد علی الفطرة،فابواه یهودانه او ینصرانه (۹)

ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی بنا لیتے ہیں۔

یعنی فطرتاً انسان نیک پیدا ہوتا ہے ماحول اس کو تبدیل کر ڈالتا ہے۔

مساواتِ انسانی

توحید کا ایک نتیجہ مساوات انسانی ہے اور وحدت مخلوق بھی ہے۔ جب خالق ایک ہے تو مخلوق بھی اسی کی پیدا کردہ ہے۔ اسلام وحدت مخلوق کے عقیدے کا حامل ہے۔ وہ کہتا ہے کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔(۱۰)

ایک کنبے کے افراد میں اونچ نیچ نہیں ہوسکتی۔ اسلام انسانی مساوات کا قائل ہے۔ کالے اور گورے، رنگ، نسل، وطن کی تمام تفریق اسلام کے نزدیک بے معنیٰ ہیں۔ حال آں کہ دنیا کی تمام ہی قومیں اپنی برتری کی قائل تھیں۔ ہندو اور یہودی تو آج تک اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے۔ یونان کے فلسفی بھی Plebeian اور Patrician کی تفریق قائم کیے ہوئے تھے۔

روما میں Patrician اور Plebeian کی تقسیم تھی۔ یورپ والے آج بھی ساری دنیا میں اینگلو سیکسن قوموں کو افضل سمجھتے ہیں۔ ان میں بھی نارڈک نسل کو اعلیٰ اور اشرف گردانتے تھے۔ اس ماحول میں عرب کے نبی امی ﷺ نے انسانی، مساوات کا نعرہ بلند کیا ہے۔ فرمایا:

یا ایها الناس ان ربکم، واحد وان اباکم واحد، الا لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ،ولا لاحمر علی اسود ولا اسود علی احمر الا بالتقوی (۱۱)

اے لوگو! تمہارا معبود ایک ہے، اور تم ایک باپ کی اولاد ہو، سن لو! کسی عرب کو غیر عرب پر اور غیر عرب کو عرب پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر پرہیز گاری کے سوا کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔

اسلامی معاشرے میں، جو صدہا قبیلوں اور قوموں پر مشتمل ہے، رنگ ونسل کی کوئی تمیز کبھی پیدا نہیں ہوئی:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمودو ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

یورپ نے انسانی مساوات کے تصور کو کہیں جا کر اٹھارہویں صدی میں اپنایا ہے۔ اس سلسلے میں روسو کا مقولہ بہت دہرایا جاتا ہے۔ اس نے لکھا ہے:

Man is born free, and everywhere he is in Chains.

حال آں کہ اس سے ایک ہزار سال قبل اسلام کے خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطاب نے مصر کے حاکم کو ایک خط میں یہ جملہ لکھا تھا۔

متیٰ استعبد تم الناس و قد ولد تھم امھاتھم احرارا (۱۲)

تم نے ان لوگوں کو کب سے غلام بنالیا حال آں کہ ان کی ماؤں نے تو ان کو آزاد جنا تھا۔

حضرت عمر نے مساوات انسانی پر عملاً مظاہرہ کر کے بتایا۔ غستان کا بادشاہ جبلہ بن ایہم مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ حج پر آیا۔ طواف کرتے وقت اس کی عبا کے دامن پر ایک بدو کا پیر پڑ گیا۔ بادشاہ نے اس کے ایک طمانچہ رسید کیا۔ بدو نے بھی جواب میں ایک طمانچہ رسید کیا۔ بادشاہ نے حضرت عمر کے سامنے شکایت پیش کی۔ مقدمہ کی کارروائی سن کر حضرت عمر نے فرمایا کہ اس نے ٹھیک کیا۔ بدلہ ہو گیا۔ اس پر وہ بادشاہ بولا کیا آپ ایک بازاری آدمی کا بدلہ مجھ سے لیں گے؟ آپ نے جواب دیا اسلام نے آ کر تمہارے درمیان مساوات قائم کرادی ہے۔

اسلام نے جس مساوات کو قائم کیا اور دنیا کو عملاً قائم کر کے بتا دیا، اس سے آج بھی امریکا کے حبشی نیگرو اور جنوبی امریکا کے کالے محروم ہیں، اور غلاموں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

انسانی مساوات اور اخوت کی بنیاد پر اسلام نے اپنا سیاسی نظام خلافت اور شورائیت قائم کی۔ جو معاشرہ عقیدہ توحید پر قائم ہو اس میں وحدت خالق سے وحدت مخلوق کا عقیدہ پیدا ہونا لازمی ہے۔ وحدت مخلوق کے عقیدے سے انسانوں کے درمیان باہمی مساوات اور مواخاۃ قائم ہوتی ہے۔ حقیقی مساوات

صرف اسلامی معاشرے میں قائم ہو سکی ہے، ورنہ مشرکانہ تہذیبوں میں جہاں کثرت الہٰ ہے وہاں کثرت مخلوق کا عقیدہ پیدا ہوتا ہے، وہاں مساوات کہاں پیدا ہو سکتی ہے۔ یونان کی جس جمہوریت کو لوگ پیش کرتے ہیں، وہ دراصل ایک شہری پنچایت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اس میں بھی نصف تعداد غلاموں کی تھی جو ہر قسم کے حقوق سے محروم تھے۔ بقیہ میں نصف تعداد عورتوں کی تھی، بقیہ میں بچے تھے۔ وہ بھی سیاسی اور معاشرتی حقوق سے محروم تھے، اس طرح مشکل سے آبادی کا ۸، ۷ فی صد حصہ جمہوریت میں حصہ لینے کا اہل قرار پاتا تھا۔ سیاسی اور قانونی حقوق ایک مختصر سے طبقے کو حاصل تھے۔ بقیہ ۹۵ فی صد افراد اپنے حقوق سے محروم تھے۔

قرون وسطیٰ میں یورپ میں حکومت آسمانی حق تسلیم کیا جاتا تھا۔ بادشاہ کو انہوں نے الوہیت کا مقام دے رکھا تھا۔ King can do no Wrong

پوری انسانی تاریخ میں صرف مدینے کی ریاست وہ واحد ریاست ہے، جہاں عام آبادی کو تمام سیاسی اور قانونی حقوق میں مساوات حاصل تھی۔ جہاں ایک خلیفہ اور ایک عام آدمی قاضی کے سامنے برابر کھڑے ہو جاتے تھے۔ جہاں خلیفہ کو عام رعایا سے ہٹ کر کوئی طاقت یا حق حاصل نہ تھا۔ عوام نہ صرف خلیفہ سے اختلاف کر سکتے تھے، بل کہ اسے معزول تک کر سکتے تھے۔ بل کہ خلیفہ کے ناجائز حکم کو رد کر سکتے تھے۔ نبی کریم کا فرمان ہے:

لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق (۱۳)

مخلوق میں سے کسی فرد کا کوئی حکم جو خالق کی نافرمانی پر مبنی ہو وہ نہیں مانا جائے گا۔

ایسا ہر حکم مردود ہے۔ رد کرنے کا حق آج بھی یورپ کی ریاستیں اپنے ماتحتوں کو دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اصولی طور پر یہ مسئلہ دوسری جنگ کے بعد اٹھا تھا۔ جو شخص نہ دشمن ہے نہ باغی ہے بل کہ اپنے ضمیر کی آواز کے مطابق جنگ میں حصہ نہیں لیتا گیا، اس کو مجبور کیا جائے گا۔ حکومتیں اس کو مجبور کرتی ہیں بل کہ جنگ عظیم ثانی کے بعد جرمن جنرلوں کے خلاف Nurem Berog کے مقدمات میں جب فرد جرم عائد کی گئی تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ اپنی جائز حکومت کی اطاعت میں کیا۔ ہمارا کوئی جرم نہیں ہے۔ جو حق آج بھی ریاستوں کے باشندوں کو حاصل نہیں ہے، اسلام نے چودہ سو سال قبل اپنی رعایا کو دے دیا ہے کہ حق بات میں اطاعت کرو۔ ناحق میں اطاعت نہیں ہے۔

جن اخلاقِ فاضلہ اور اعمال حسنہ کو اہل دنیا تارک الدنیا فقیروں کی کٹیاؤں میں اور درویشوں کی خانقاہوں میں دیکھ سکتے تھے، وہ اسلامی انقلاب کی بہ دولت دنیاوی کاروبار چلانے والے تاجروں میں،

حکم رانوں میں، افواج کے سپہ سالاروں میں، مال گزاری وصول کرنے والے تحصیل داروں میں، اور ملکوں کو فتح کرنے والے فاتحوں کے کردار میں جلوہ گر ملتے ہیں۔

اسلامی خلافت کی وہ آئیڈیل حیثیت ہے کہ ۱۹۳۷ میں جب پہلی مرتبہ ہندوستان میں قومی حکومتیں صوبوں میں قائم ہوئیں تو گاندھی نے تمام وزرا کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہندو قوم کے ہیرو رام اور کرشن تو افسانوی شخصیتیں ہیں۔ اسلام کے خلفا ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ تاریخی شخصیتیں ہیں۔ انہوں نے جس طریقے سے حکومت کی۔ خدا ترسی کا ثبوت دیا۔ تم اس کی پیروی کرو۔

دین اور دنیا کی یک جائی

اسلام سے قبل دین داری اور دنیا داری دو جداگانہ بالکل متضاد طرز زندگی کے پہلو تھے۔ ایک کو اختیار کرنا ہوتا تو دوسرے پہلو کو ترک کرنا پڑتا تھا۔ بدھ نے دین داری کی زندگی اختیار کی تو اپنے بیوی بچے، راج پاٹ سب کچھ ترک کر دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ غربت و افلاس میں وقت گزارا۔ جو قول ان سے منسوب ہے اس میں انہوں نے خدا اور قیصر کو ایک دوسرے کا حریف بنا کر پیش کیا ہے۔ اس وجہ سے عیسائی دنیا میں ایک طرف مذہبی حکومت تھی، پوپ کے ماتحت، اور ایک طرف دنیاوی حکومت تھی Holy Roman Empire کے ماتحت۔ قرونِ وسطیٰ کی تاریخ شاہد ہے کہ یہ دونوں ہمیشہ باہم برسر پے کار رہے۔ اگر پوپ طاقت ور ہوتا تو شہنشاہ اس کی دہلیز پر ناک رگڑتا تھا۔ اور اگر شہنشاہ طاقت ور ہوتا تو وہ دوسرا پوپ کھڑا کر دیتا تھا۔ (Avignon Paracy) یہ جنگ اس وقت ختم ہوئی جب ایک فریق بالکلیہ غالب آ گیا۔ اسلام کی نظر میں خزانہ عامرہ بیت المال بادشاہ کی ملکیت نہیں ہے۔ وہ عوام الناس کی ملکیت ہے۔

بہ قول اقبال:

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی
سماتی کہاں اس فقیری میں میری
یہ اعجاز ہے ایک حوا نشیں کا
بشیری ہے آئینہ دار تنذیری

اسلام نے امیری اور فقیری، دنیا اور دیں کا حسین امتزاج پیش کیا تھا۔ اسلام کے خلفائے اربع طاقت وقوت میں کسی بادشاہ اور حکم راں سے کم نہیں تھے۔ اور دین داری و درویشی میں کس راہب گوشہ نشیں

سے کم نہیں تھے۔ حکومت پر پہنچ کر انہوں نے دین داری اور فقیری کا مظاہرہ کیا۔ ایمان داری، اخلاص، تقویٰ، عبادت، دیانت و استغنا کا مظاہرہ کیا۔ بعد میں بھی کتنے ہی ایسے بادشاہ ہوئے ہیں جن کی زندگیوں میں فقیری اور بے نیازی کی جھلک پوری طرح جلوہ گر تھی۔

خلیفہ کی حیثیت ایک عام آدمی سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ خدا کی مخلوق کے سامنے جواب دہ تھے۔ حکومت تنقید سے بالاتر نہیں تھی۔ عام آدمی ان کو منہ پر ٹوک دیتا تھا۔ آخری دور کا واقعہ ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے ایک مرتبہ عید کی نماز مسجد وزیر خان لاہور میں پڑھی۔ نماز کے بعد خطبے میں مولوی محمد رمضان نے بادشاہ کے حق میں نصرت و تائید کی دعا مانگی۔ اس کو خلیفۂ عادل کہا۔ سامنے مولانا محمد رمضان کے استاد مولانا محمد شہریار بھی بیٹھے تھے، وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے کہا تم کو شرم نہیں آتی، کل قیامت کے روز خدا کو کیا منہ دکھائے گا۔ تو اس شخص کو عادل قرار دے رہا ہے، جس کی وجہ سے لاہور سے لے کر دہلی تک سیکڑوں خاندان تباہ ہوگئے۔ عورتیں بیوہ ہوگئیں، بچے یتیم ہوگئے۔ علاقے تباہ و برباد ہوگئے۔ اس جملے کی زد بہ راہِ راست احمد شاہ ابدالی پر پڑتی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا، اس نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں کون ہوں۔ مولانا نے جواب دیا کہ ہاں آپ احمد شاہ ہیں۔ اس نے کہا کہ اس گستاخی کی کیا سزا ہوسکتی ہے۔ مولانا نے کہا میں نے بچپن میں چار باتوں کی تمنا کی تھی۔ حفظِ قرآن، علوم دین کی تحصیل، حج بیت اللہ، سو الحمد اللہ یہ تینوں سعادتیں حاصل کر چکا ہوں۔ اب آخری تمنا باقی ہے، وہ ہے شہادت فی سبیل اللہ، شاید آج اس کا دن آ گیا ہے۔ احمد شاہ سن کر دم بہ خود رہ گیا۔ اس قسم کی حق گوئی کے واقعات تاریخ کے اوراق میں کثرت سے محفوظ ہیں۔ جس طرح بادشاہ ہو کر فقیری اختیار کرنے کے واقعات صرف مسلمان معاشرے میں مل سکتے ہیں، اسی طرح منہ پر حق بات کہنے کے واقعات بھی اسلامی معاشرے میں ہی مل سکتے ہیں۔

اسلامی تہذیب کی آفاقیت

اسلامی خلافت کی ایک اہم خصوصیت اور ہے۔ جس کا تذکرہ آج کل کے حالات میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اسلام کا خدا رب العالمین ہے۔ اسلام کا رسول رحمۃ للعالمین ہے۔ اسلام کی کتاب ھدیً للناس ہے۔ اسلام کا مرکز کعبہ سب کے لیے ہے۔ اسلام کی دعوت آفاقی و عالم گیر ہے۔ وہ کسی قسم کے تعصب میں مبتلا نہیں ہے۔ اسلام کا فرمان ہے کہ انسان خواہ کچھ بھی ہو وہ اللہ کا بندہ ہے۔ اللہ کے کنبے کا فرد ہے، (۱۴)

اسلامی ریاست غیر مسلموں کو مکمل مذہبی آزادی دیتی ہے۔ قرآن کے علاوہ دنیا کی کس کتاب میں

یہ حکم ملتا ہے:

لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ (۱۵)

دین اسلام میں کوئی جبر نہیں۔

غیر مسلمان اقلیتوں کو مذہب کی آزادی ہے۔ اپنے اپنے مندروں میں بت پرستی کی آزادی ہے یورپ نے اٹھارویں صدی میں کہیں جا کر عقیدے کی آزادی دی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ غیر مسلموں کو ثقافتی آزادی ہے۔ اپنی تہذیب، اپنے کلچر کے تحفظ کا حق ہے۔ حال آں کہ آج کی دنیا میں اکثریت اقلیت کا ناطقہ بند کیے رکھتی ہے۔ اکثریت سو جتن اختیار کرتی رہتی ہے کہ کس طرح اس کو ثقافتی طور پر اکثریت میں ضم کر دیا جائے۔ ان کی زبان، ان کی تعلیم، اور ان کے رسوم ورواج کی ہر طرح مخالفت کرتی ہے۔ اسلام نے یہ آزادی اپنی اقلیتوں یعنی ذمیوں کو دی ہے۔

تدبر

اسلام نے انسانیت کی صرف نظری رہ نمائی نہیں کی، بل کہ عملاً قرآن نے حکم دیا کہ

وَلَا تَقۡفُ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ ؕ اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔوۡلًا (۱۶)

جس چیز کا تمہیں علم نہیں ہے اس کے پیچھے مت پڑو۔ کان ہاتھ اور دل سب کی باز پرس ہوگی۔

اس آیت نے بتایا کہ علم کان آنکھ یعنی مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ دل یعنی تفکر و تدبر سے حاصل ہوتا ہے، اور غیر مشاہداتی اور غیر تدبری علم کو بیان کرنا غلط ہے، ورنہ جواب دہی کرنی ہوگی۔ اس حکم نے انسانیت کو اوہام اور خرافات سے نکال کر علم اور تحقیق کی راہ پر ڈال دیا۔

علم کا فروغ لازمی تعلیم

عقیدہ توحید کا ایک اور اہم نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے علوم سائنس کی بنیاد رکھی۔ سائنس کی ترقی کے لیے دو باتوں پر یقین کامل ضروری ہے:

اول یہ کہ ساری دنیا میں ایک ہی قانون نافذ ہے۔ قانون کی عالم گیریت اور آفاقیت

دوسرے یہ کہ ایک ہی قانون، ماضی میں بھی تھا، اب بھی ہے اور آئندہ بھی یہی رہے گا، یعنی قانون کی ابدیت۔

جب تک قانون کی آفاقیت اور ابدیت پر یقین نہ ہو سائنس کی بنیاد نہیں پڑ سکتی۔ قانون کی

آفاقیت اور ابدیت موحدانہ تہذیب کا عطیہ ہے۔ خالق ایک ہے۔ مخلوق بھی ایک ہے۔ اور اس کے لیے قانون بھی ایک ہی نافذ ہے۔ چوں کہ یہ موحدانہ تہذیب بھی ازلی ابدی ہے، اس لیے قانون بھی ازلی ابدی ہے۔ جو تہذیبیں کافرانہ اور مشرکانہ تھیں۔ وہاں نہ مخلوق ایک تھی، نہ قانون ایک تھا، وہاں آفاقیت اور ابدیت تلاش کرنا بے سود ہے۔ اس لیے سائنس کی بنیادوں کو کھڑا کرنا اسلام کی موحدانہ تہذیب کا کام ہے نہ کہ یونان اور روما کی مشرکانہ تہذیب کا، یونانی تو سائنسی تجربات سے اس قدر بعید تھے کہ یونانی فلسفی ارسطو لکھتا ہے کہ عورت کے منہ میں ۲۸ دانت ہوتے ہیں، اور مرد کے منہ میں ۳۲ ہوتے ہیں۔ حال آں کہ وہ دو عورتوں کا شوہر تھا۔ اسلام سے قبل مقدمات کا فیصلہ کاہنوں کی باتوں پر، گواہی کے طور پر آگ پر سے گزرنے پر، ایک دوسرے پر تلوار سے حملہ کرنے پر تھا، یورپ، ہندوستان سب توہم پرستی میں مبتلا تھے۔ اسلام نے معقول طریقۂ گواہی، شہادت، بیان جرح وغیرے موجودہ طریقہ دنیا کو دیا۔

اسی طرح اسلام ہی نے انسان کو تسخیر فطرت کا نصب العین عطا کیا۔ سائنس کی بنیاد مسلمانوں نے رکھی۔ اندلس کے عربوں نے ان کو مستحکم کیا۔ وہاں سے روجر بیکن اور دوسرے لوگوں نے یہ سلسلۂ علوم اخذ کیا۔ جب اس فن نے ترقی کی تو اس وقت اندلس کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس لیے اس تحقیق و انکشاف کا سارا سہرا اہل مغرب نے اپنے سر باندھ لیا۔ پھر بعض منصف مزاج مغربی مصنف اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سائنس عربوں کا تحفہ ہے۔ دیکھیے تمدن عرب از گستاؤ لیبان۔ بریفالٹ، جارج سارٹن وغیرہ۔ دور جدید جن باتوں پر نازاں ہے وہ یہی تو ہیں، بت پرستی کا استیصال، عظمت انسانی، مساوات انسانی، حقوق انسانی، حقوق نسواں، خلافت انسانی قانون کی عمل داری، حکومت پر تنقید کا حق دینا، تہذیب و اخلاق، اعمال حسنہ، یہ سب اسلام کے عقیدۂ توحید کا عطیہ ہیں۔

تاریخ میں ڈھونڈو، تلاش کرو۔ سب سے پہلے کس نے انسانوں کو یہ انعامات دیے ہیں، یہ سارے عطیات عرب کے نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کا تحفہ تو ہیں، مدینے کی ریاست میں ان پر عمل ہوا۔ اس رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ساری دنیا میں جاری ہے۔ دور جدید کا معمار اسلام لانے والا نبی عربی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ عصر جدید کا آغاز نشاۃ ثانیہ سے نہیں بل کہ بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا ہے۔ ۱۴۵۳ء سے نہیں بل کہ ۶۱۰ء سے ہوا ہے۔

حوالے

۱۔ یہ اعلان دراصل قرآن کا اعلان تھا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (المائدۃ:۳) ''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا''۔

۲۔ احمد بن حنبل۔ المسند۔ بیروت، موسسۃ الرسالہ ۲۰۰۱ء: ج۸، ۱۸۸، رقم ۴۵۸۳۔ ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث۔ بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۴: ج۴، ص۱۸۵، رقم ۴۵۴۷

۳۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِo مَلِکِ النَّاسِo اِلٰہِ النَّاسِo (الناس:۱۔۳) آپ کہہ دیجیے کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں۔ لوگوں کے بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبود کی۔

۴۔ سورۃ النازعات:۴

۵۔ یوسف:۴۰۔ اسی نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

6. Encyclopedia of Religion and Ethics VIII Page:576

۷۔ ایک روایت کے مطابق خطبہ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ نے خواتین کے حقوق کی پاس داری کی ان الفاظ میں تلقین فرمائی: واستوصوا بالنساء خیراً، فانھن عندکم عوان لایملکن لأنفسھن شیئا، وانکم انما اخذتموھن بأمانۃ اللہ، واستحللتم فروجھن بکلمات اللہ، اور ایک روایت میں فرمایا: فاتقوا اللہ فی النساء (ابن ہشام۔ السیرۃ النبویہ۔ بیروت، دار المعرفہ، ۱۹۷۸: ج۴، ص۲۳۱)

۸۔ فمن کان اخوۃ تحت یدہ فلیطعمہ مما یاکل، ولیلبس ما یلبس (ابو داود: ج۴، ص۳۷۹، رقم ۵۱۵۸

۹۔ بخاری، محمد بن اسماعیل۔ الصحیح۔ دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۵: ج۱، ص۳۳۰، رقم ۱۳۵۸

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الخلق عیال اللہ ''مخلوق اللہ کا کنبہ ہے''۔ (بزار۔ ابوبکر احمد ابن عمرو۔ المسند: مدینہ منورہ، مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۹۸۸: ج۱۳، ص۳۳۲، رقم ۶۹۴۷)

۱۱۔ مسند احمد: ج۳۸، ص۴۷۴، رقم ۲۳۴۸۹

۱۲۔ علی متقی الہندی۔ کنز العمال۔ بیروت، موسسۃ الرسالہ ۱۹۸۱ء: ج۴، ص۴۰۱

۱۳۔ مسند احمد: ج۶، ص۴۳۲، رقم ۳۸۸۹

۱۴۔ فرمانِ نبوت ہے الخلق عیال اللہ۔ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ دیکھیے حوالہ ۱۰۔

۱۵۔ البقرہ:۲۵۶

۱۶۔ بنی اسرائیل:۳۶